



جون 2017ء

رمضان / شوال ۱۴۳۸ھ

انٹرنیشنل



عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، ختم نبوت کی داعی واحد جماعت، کاترجمان

حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیانہ پُرانا

حضرت مرزا غلام احمد مدعی نبوت نہیں مجدد صد چار دہم تھے، جس کی پیشین گوئی نبی کریم نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی تھی۔

نشریات

وقت برطانیق برطانوی ٹائم

خصوصی رمضان نشریات - روزانہ ۲۰:۳۰

<http://mixlr.com/radio-virtual-mosque>

www.virtualmosque.co.uk پر دیگر نشریات

پروگرام واوقات

13:00	جمعہ - انگریزی
13:30	درس - بعد از جمعہ انگریزی
15:00	ماہانہ اجلاس - انگریزی - ہر ماہ پہلی اتوار
11:00	عیدین - انگریزی
13:00	عیدین - پنجابی
09:00	سکائپ
09:00	تقاریر اور تبادلہ خیالات - ہر اتوار

سکائپ

سکائپ آئی ڈی

Lahori-Ahmadi

مدیران

شاہد عزیز

مسز سمیرا احمد

فہرست مضامین

- ۱: کلام امام - (فرمودات حضرت مسیح موعودؑ)
- ۲: مولانا آفتاب الدین از ڈاکٹر ظفر احمد ایف آر سی ایس
- ۳: امام و مبلغ شاہجہان مسجد اور مسلم مشن، ووکنگ

عید مبارک

النور کی طرف سے سب مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو بہت بہت عید الفطر مبارک ہو۔ خوش قسمت ہونگے وہ جنہوں نے رمضان کا اصل مقصد پالیا۔ رمضان کے اختتام کا یہ مطلب نہیں کہ اس مقدس ماہ میں ہم نے جو سبق سیکھے ہیں ہم اگلے رمضان تک انہیں بھلا دیں۔

عالمگیر (ذیلی مرکز)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

پتہ برائے خط و کتابت

15 Stanley Ave, Wembley, UK HA0 4JQ

www.virtualmosque.co.uk

ای میل: info@aaiil.uk

کلام امام

تم دین کو دنیا پر مقدم رکھو اور ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے
سرا انجام دو۔ اپنی شہرت کے لئے نہیں۔

مولانا آفتاب الدین احمد

ڈاکٹر ظفر احمد۔ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس (لندن)

میرے ابا جان، مولانا آفتاب الدین احمد صاحب مرحوم مغربی بنگال کے معروف ضلع بردوان کے ایک گاؤں ٹولہ میں یکم جنوری ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ یہ ان کا تخیال تھا۔ ان کے والد سید راحت علی اسی علاقہ کے ایک اور گاؤں موگرہ کے زمیندار تھے اور وکالت کے پیشے سے وابستہ تھے۔ سید راحت علی صاحب نے بچوں کی تعلیم پر خاصی توجہ دی اور مولانا آفتاب الدین احمد صاحب نے بردوان سے میٹرک کرنے کے بعد کلکتہ پریزیڈنسی کالج سے جس کی اس زمانے میں کافی شہرت تھی۔ بی اے پاس کیا اور انگریزی میں نہ صرف آنرز کیا بلکہ امتیازی پوزیشن بھی حاصل کی۔ اس زمانے میں کسی مسلمان کا امتیاز سے بی اے پاس کرنا بڑی وقعت اور اعزاز کی بات تھی ان کے انگریزی کے پروفیسر کی ان کے متعلق رائے تھی کہ وہ آگے چل کر ایک ایچے لکھاری بنیں گے۔

ان کو محکمہ ڈاک میں ایک اعلیٰ عہدہ کی پیشکش ہوئی لیکن مولانا کا رجحان اسلام اور ملت اسلامیہ کی ملی اور علمی خدمت کی طرف تھا۔ ایک دفعہ کراچی کے مشہور ہفتہ وار اخبار ”پاکستان سٹینڈرڈ“ کی ادارت کی ابا جان مرحوم کو پیشکش بھی ہوئی تھی لیکن انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے وعدہ کو نبھاتے ہوئے اس مالی لحاظ سے قیمتی اور معزز پیشکش کو قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔

طالب علمی کے زمانہ ہی میں وہ آزادی کی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیتے رہے۔ خاص طور پر تحریک خلافت کے لئے وفود کے ساتھ گاؤں گاؤں جاتے اور لوگوں کو تقریر اور گفتگو کے ذریعہ تحریک کے مقاصد سے آگاہ کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا ذرا دیر بھنے ہوئے چنے ہو کرتے تھے۔ ان

کے ایک چچا سید ارشاد علی جو ایک صوفی منش عابد و زاہد تھے، انہوں نے اسلام کے بارے میں مولانا کے علمی ذوق اور جذبہ کی آبیاری کی۔ چنانچہ بی اے کرنے کے فوراً بعد مولانا نے عربی زبان سیکھنے اور قرآن اور حدیث کا علم حاصل کرنے کی غرض سے دیوبند جانے کا فیصلہ کیا۔ مولانا کے والد جو اپنے علاقہ کے ایک متمول زمیندار اور وکالت کے پیشے میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے کے اس فیصلہ سے سخت ناخوش تھے۔ مولانا کو مسلمانوں کی علمی پسماندگی اور زبوں حالی کا شدت سے احساس تھا اور یہی وہ جذبہ اور قلق تھا جو مولانا کے دل و دماغ پر حاوی رہتا تھا اور اسی وجہ سے انہوں نے بی اے کرنے کے بعد دنیاوی مستقبل کو چھوڑ کر دین کی خدمت کی ٹھان لی۔ اس سلسلہ میں مولانا کے چچا سید ارشاد علی صاحب نے کافی حوصلہ افزائی کی۔ جن کا ذکر انہوں نے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، مجدد چھٹی صدی کی معروف کتاب ”فتوح الغیب“ کے انگریزی ترجمہ کے انتساب میں ان الفاظ میں کیا: ”میرے چچا سید ارشاد علی صاحب کی یاد میں، انتہائی عقیدت کے ساتھ، اس حقیر کوشش ترجمہ کو ان کے نام انتساب کرتا ہوں جو نہایت صبر و تحمل سے میرے سوالوں کے جوابات دیتے اور جو میرے خاندان کے واحد فرد تھے جنہوں نے مذہب کے لئے میرے اچانک رجحان پر خوشی کا اظہار کیا۔ میرے یہ چچا اسلام کی حقیقی تعلیمات کی تبلیغ کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے تھے اور جن کی زندگی کا اختتام بطور ایک سچے صوفی کے ہوا۔“

مولانا آفتاب الدین احمد صاحب چونکہ پورے دیوبند مدرسہ میں واحد گریجویٹ تھے، اس لئے مولانا شبیر احمد عثمانی جو اس وقت دیوبند کے اس معروف دینی درس گاہ کے سربراہ تھے ان سے انگریزی پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ مولانا آفتاب الدین احمد صاحب مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کی کتابوں کی الماری صاف کر رہے تھے تو انہیں الماری میں سے بیان القرآن کا سرورق چرمر حالت میں ملا جس سے ان کو اندازہ ہوا کہ جس تفسیر کو مولانا سامنے رکھ کر قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تفسیر ”بیان القرآن“ ہے۔ اس زمانے میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا انگریزی ہفتہ وار اخبار ”لائٹ“ جس کے مدیر مولانا محمد یعقوب خاں صاحب ہو کر تھے، انگریزی خواں طبقہ اور خاص طور پر مسلمان نوجوانوں میں مقبول تھا اور میرے والد صاحب اس کو باقاعدگی سے

تشریف لے گئے۔ یہیں میرے بڑے بھائی اقبال احمد صاحب کی ولادت ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔

والد صاحب مرحوم نے یہاں مؤثر انداز میں تبلیغ اسلام کا کام کھاسی قبیلہ میں کیا جو دوسرے قبیلوں کے مقابلہ میں نسبتاً ترقی یافتہ تھا۔ اس قبیلہ کے کئی صد لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اس قبیلہ کی زبان کھاسی میں انہوں نے متعدد کتابچے بھی تحریر کئے۔ تقریباً دو سال تک نہایت تندہی اور مشکل حالات میں تبلیغ و اشاعت کا کام کرتے رہے۔ لاہور انجمن کے ان دنوں مالی وسائل اتنے تسلی بخش نہ تھے۔ چنانچہ ایک مرحلہ پر دسمبر ۱۹۲۹ء میں انجمن نے مالی مشکلات کے پیش نظر مشن کو بند کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ گو چند ہفتوں کے بعد حضرت مولانا محمد علی صاحب نے خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ انجمن نے اس بارے میں دوبارہ غور کر کے اس مشن کے لئے مالی امداد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے والد صاحب مرحوم کو ووکنگ مسلم مشن، انگلستان کے لئے بطور نائب امام کام کرنے کی پیشکش کر دی تھی جو انہوں نے قبول کر لی۔ اس سلسلہ میں حضرت خواجہ صاحب کا انگریزی میں اپنے ہاتھ سے لکھا خط مؤرخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کرتا ہوں:

”میں پرسوں ہی ایبٹ آباد سے واپس آیا ہوں اور آپ کی تنخواہ اور دیگر معاملات کو طے کیا۔ آپ کے پوسٹ کارڈ کے ملنے سے پیشتر ہی میں نے کمیٹی سے آپ کی تنخواہ میں اضافہ کی منظوری لے لی تھی تاکہ آپ کو تسلی رہے۔ آپ کی تنخواہ اب ۲۰۰ روپے ماہوار کر دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ووکنگ میں آپ کو ہر ماہ ۸ پونڈ اور ۱۵ شلنگ ملا کریں گے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں آپ کی بیوی کو ہر ماہ ۷ روپے ملیں گے۔ اس طرح ہر ماہ ایک پونڈ قسط کٹنے کے بعد آپ کو ۷ پونڈ ۱۵ شلنگ انگلستان میں ادا کئے جائیں گے۔ آپ ایک اور کوٹ اور ایک سوٹ ہندوستان سے خرید کر ساتھ لے جائیں۔ اس کے لئے ۳۰۰ روپے منظور کئے گئے ہیں۔ میرے خیال میں اتنی رقم کافی ہوگی۔ ایک کمبل بھی خرید لیں جو ۱۵ روپے میں آئے گا۔ ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دی جا رہی ہے۔ آپ کی تقرری اس دن سے ہوگی جس دن آپ کلکتہ سے روانہ ہوں گے۔ میرے خیال میں آپ کے لئے بہتر ہوگا کہ آپ کلکتہ سے پہلے یہاں تشریف لائیں اور یہاں سے ووکنگ کے لئے روانہ ہوں۔ اس طرح میں آپ کو ضروری معلومات اور ہدایت بھی فراہم کر سکوں گا۔

پڑھتے تھے اور اس طرح ان کو تحریک احمدیہ لاہور سے دلی لگاؤ تھا۔ ۱۹۲۴ء میں جب افغانستان میں مولوی نعمت اللہ صاحب اور ان کے دو ساتھیوں مولوی عبدالحکیم صاحب اور مولوی نور علی صاحب کو احمدی ہونے کی وجہ سے شہید کر دیا گیا تو پورے ہندوستان سے والی افغانستان کو مبارکبادی کے پیغامات جانے لگے۔ ان دنوں دیوبند کے طالب علموں کی یونین کے صدر مولانا عبد الرحیم ترکا باگیسٹ اور سیکرٹری مولانا آفتاب الدین احمد صاحب تھے۔ طلباء کا اصرار تھا کہ یونین کی طرف سے بھی والی افغانستان کو مبارکبادی کا ریزولوشن جانا چاہئے لیکن یہ دونوں طالب علم اس بیہمانہ قتل کے خلاف تھے۔ اس وجہ سے طلباء میں ان دونوں کے خلاف اشتعال بڑھنے لگا۔ دونوں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے پاس گئے کہ وہ اس معاملہ میں ان کی مدد کریں لیکن مولانا نے حمایت کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیا اور کہا کہ اگر تم دونوں اپنے موقف پر ڈٹے رہے تو پھر تم دونوں کا یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ جب حالات زیادہ بگڑنے لگے تو ان دونوں کے لئے ایک ہی راستہ رہ گیا کہ وہ چپکے سے بھاگ جائیں۔ چونکہ میرے والد صاحب مرحوم ”لائٹ“ کے ذریعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور کے خیالات اور پتہ سے واقف تھے اس لئے دونوں نے لاہور کا رخ کیا اور پوچھتے پوچھتے احمدیہ بلڈنگس، لاہور پہنچ گئے۔ یہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں یہاں پہنچے۔ تن پر جو کپڑے تھے انہیں میں چند دن گزارے لیکن سردی کے دن تھے۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر غلام محمد صاحب مرحوم نے اس حالت میں دیکھا تو کچھ گرم کپڑے دیئے۔ میرے والد صاحب مرحوم کو انگریزی زبان میں لکھنے اور بولنے کی صلاحیت کی وجہ سے ”لائٹ“ اخبار کے ادارتی عملہ میں ملازم رکھ لیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد انگریزی زبان میں ان کی لیاقت کو دیکھتے ہوئے انہیں ۵ جنوری ۱۹۲۶ء کو حضرت مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ قرآن مجید اور دیگر انگریزی کتب کی پروف ریڈنگ کے لئے مختص کر دیا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک والد صاحب مرحوم نے حضرت مولانا محمد علی صاحب کے پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر بھی کام کیا۔ لیکن پھر دس ماہ بعد یکم نومبر ۱۹۲۶ء کو ان کا بطور مبلغ تقرر ہوا۔ اس دوران میں جب کلکتہ اسلام مشن کی طرف سے درخواست آئی کہ آسام میں کھاسی قبیلہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ایک مبلغ کی ضرورت ہے تو ۵ جولائی ۱۹۲۷ء کو والد صاحب مرحوم بطور مبلغ شیلانگ، آسام

مجھے امید ہے کہ آپ ہندوستان میں اپنے معاملات جلد نمٹالیں گے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ آپ کی تقرری آپ کے لئے اور مشن دونوں کے لئے بابرکت ثابت ہوگی۔“

اسی سلسلہ میں ایک نہایت سبق آموز بات بھی سناتا چلوں جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اپنے ساتھی کارکنوں کی تکریم اور عزت نفس کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ جب والد صاحب مرحوم انگلستان روانگی کے لئے تیار ہو گئے تو حضرت خواجہ صاحب کو ملنے گئے۔ انہوں نے پوچھا تیاری ہو گئی اور ٹکٹ وغیرہ لے لیا ہے۔ کہا جی ہاں۔ پوچھا ٹکٹ کس کلاس کا ہے۔ جواب دیا تھرڈ کلاس کا۔ فوراً اپنے بھائی خواجہ عبدالغنی صاحب کو جو مشن کے سیکرٹری بھی تھے بلایا، پوچھا کہ تمہارا بھائی کس کلاس میں سفر کرتا ہے کہا فرسٹ میں۔ فرمایا کہ تم نے پھر کیوں ان کو تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر دیا۔ جواب ملا کہ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ آپ کس کلاس میں سفر کرتے ہیں تو انہوں نے کہا تھا کہ تھرڈ میں۔ تو میں نے تھرڈ کلاس کا ہی ٹکٹ لے دیا۔ فرمایا آفتاب الدین میرے نمائندہ کی حیثیت سے جا رہا ہے۔ ان کو بھی اسی کلاس کا ٹکٹ خرید کر دو جس میں تمہارا بھائی سفر کرتا ہے۔ یہ تھا ہمارے بزرگوں کے کردار کی عظمت اور ان کارکنوں کی عزت و تکریم کا نمونہ جس کی بدولت لوگ دین کے کام کے لئے والہانہ خدمت سرانجام دینے پر کمر بستہ ہو جاتے اور ہر قسم کی قربانی دینے سے گریز نہ کرتے۔ شیلانگ میں والد صاحب مرحوم (شیلانگ) مشن کو چلانے کے لئے مالی وسائل پیدا کرنے کا کافی حد تک انتظام کیا۔

۱۹۳۰ء کے آخر میں والد صاحب مرحوم، بیوی اور ایک بچہ کے ساتھ لاہور پہنچے۔ بیوی اور بچہ یعنی میرے بڑے بھائی اقبال احمد دونوں کو حضرت خواجہ صاحب کے حوالے کر کے خود تنہا انگلستان روانہ ہو گئے۔ میری والدہ صاحبہ ایک بچہ کے ساتھ اجنبی لوگوں اور اجنبی ماحول میں، نہ کوئی عزیز نہ رشتہ، حضرت خواجہ صاحب کے گھر میں دو سال تک رہیں۔ کھانا اور دیگر ضرورت کی چیزیں ان کو حضرت خواجہ صاحب کی نگرانی میں مہیا کی جاتیں۔ بعض اوقات حضرت خواجہ صاحب کھانا خود بھی ملاحظہ کرتے۔ والدہ مرحومہ کی عمر اس وقت اندازاً 20 سال کی ہو گی۔ پنجاب کی زبان اور تمدن سے بالکل ناواقف تھیں۔ آج ان حالات اور واقعات کا تصور کیا جائے تو دل بے اختیار ان دونوں کی ہمت اور قوت ایمانی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

والد صاحب مرحوم ان مشکل حالات میں دو سال تک نہایت تندہی سے ووکنگ مسلم مشن انگلستان میں تبلیغ و اشاعت کے کام میں مصروف رہے اور ماہنامہ ”اسلامک ریویو“ کی ادارت میں بھی قلمی معاونت کرتے رہے۔ ماہنامہ ”اسلامک ریویو“ میں شائع مولانا کی ہی ۱۹۳۲ء کی عید الفطر کی رپورٹ میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح صاحب نے اس مبارک تقریب میں نہ صرف شرکت کی بلکہ اس کی تبلیغی کاوشوں کو سراہا۔ چنانچہ دو سال کے بعد دسمبر ۱۹۳۲ء کے آخر میں آپ بذریعہ سمندری جہاز ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے۔ ابھی سفر میں ہی تھے کہ ۲۸ دسمبر کو حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کا وصال ہو گیا اور مولانا صاحب اپنے اس روحانی رہنما سے محروم ہو گئے جن کی بے پناہ علیقت، جذبہ ایمانی اور انسان دوستی نے ان میں دینی خدمت کا ایسا جذبہ موجزن کر دیا تھا کہ وہ تمام دنیوی رشتوں کو قربان کر کے دیار غیر میں خدمت اسلام کے لئے دیوانہ وار کمر بستہ ہو گئے اور اس عہد کو انہوں نے مرتے دم تک نبھایا۔ ان دو سالوں میں مولانا نے تحریر اور تقریر کے ذریعہ اپنی قابلیت کا مظاہرہ کیا لیکن انگلستان کی شدید سردی کی وجہ سے ان کی صحت پر برا اثر پڑا اور ان کو مجبوراً واپس آنا پڑا۔ دو سال کے بعد ۱۹۳۵ء میں دوبارہ مولانا کو امام مسجد ووکنگ بنا کر بھیجا گیا جہاں انہوں نے تقریباً ۴ سال تک امامت کے فرائض سرانجام دیئے اور ۱۹۳۹ء کے آخر میں دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے سے قبل ہندوستان واپس آ گئے اور یہاں ماہنامہ ”اسلامک ریویو“ کی ادارت اور حضرت خواجہ صاحب کی انگریزی کتب کی دوبارہ اشاعت کے کام کو سنبھالا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں مشن کی سرگرمیاں محدود ہو گئیں اور مالی مشکلات کا بھی سامنا تھا لیکن ان مشکل حالات میں بھی مولانا نے نہایت اخلاص اور جذبہ ایمانی سے ماہنامہ ”اسلامک ریویو“ کی ادارت اور مشن کی دیگر سرگرمیوں کو لاہور سے جاری رکھا۔ ۱۹۴۹ء میں اسلامک ریویو کی اشاعت کا کام انگلستان منتقل ہو گیا تو مولانا کے سپرد انجمن کے انگریزی ہفتہ وار ”لائٹ“ کی ادارت کی ذمہ داری سونپ دی گئی جو انہوں نے زندگی کے آخری لمحوں تک نہایت قابلیت اور تندہی سے ادا کی اور اس ہفتہ وار کے ذریعہ اسلامی، نظریات اور احمدیہ نقطہ نگاہ کو لوگوں تک پہنچایا۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب نے صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کا کام اپنی زندگی کے آخری ایام میں شروع کیا تھا لیکن جب انگریزی ترجمہ القرآن

انگریزی میں منتقل کیا جواب کتابی شکل میں ”اسلام اینڈ کمیونزم“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

مولانا میں انسان دوستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مالی وسائل کی کمی کے باوجود مہمان نوازی، خدمت خلق کا جذبہ قابل قدر تھا۔ جماعت کے نوجوانوں سے علمی اور دینی گفتگو اور ان کی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ شبان الاحمدیہ کی انتظامیہ کے اجلاس اکثر ہمارے گھر کے باہر والے کمرہ میں ہوتے اور اسی کمرہ میں گاہے بہ گاہے نوجوان آتے اور مولانا سے اسلام اور تحریک احمدیت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہوتی۔ ان دنوں شبان الاحمدیہ کے سیکرٹری شیخ محمد طفیل صاحب تھے اور وہ ہمارے ہی گھر کے ایک کمرہ میں رہائش رکھتے تھے۔ شبان الاحمدیہ کے ایک اجلاس میں یہ تجویز ہوئی کہ چونکہ مولانا کو ہومیوپیثی سے کافی لگاؤ ہے اور وہ لوگوں کا اپنے طور پر علاج بھی کرتے ہیں تو کیوں نہ ہومیوپیثی کی کلاسیں شروع کی جائیں اور نوجوانوں کو اس طریق علاج کی تعلیم دی جائے۔ پھر یہ بھی تجویز ہوا کہ مولانا اپنی بیٹھک میں ہی باقاعدگی سے اس علاج کے لئے وقت دیا کریں۔ چنانچہ انہوں نے گھر پر ہی نماز مغرب سے نماز عشاء تک وقت دینا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں شیخ محمد طفیل صاحب ان کی معاونت کرتے اور معاونت کا یہ سلسلہ ۱۹۵۱ء تک جاری رہا۔ جب شیخ صاحب انگلستان بغرض تبلیغ تشریف لے گئے تو شیخ محمد حسین صاحب خازن انجمن نے معاونت کرنی شروع کی۔ رفتہ رفتہ یہ سلسلہ بڑھا اور مہمان خانہ کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں یہ سلسلہ منتقل ہو گیا اور ۱۲ فروری ۱۹۴۳ء بروز جمعہ اس چھوٹے سے کمرہ میں فری ہومیوپیٹھک ڈسپنسری کا افتتاح حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اپنے دست مبارک سے کیا۔ ڈسپنسری مولانا کے دم سے چلتی رہی لیکن کمرہ مریضوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لئے ناکافی تھا اور خاص طور پر خواتین کے بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ نہ تھی۔ چنانچہ جنوری ۱۹۵۶ء میں حضرت مولانا کی وفات کے بعد شیخ محمد حسین صاحب جو مولانا کی زندگی میں ان کی معاونت کرتے تھے اور ان کی بھی اب ہومیوپیٹھک طریق علاج سے دلچسپی بڑھ گئی تھی انہوں نے اس چھوٹے سے کمرہ کے ساتھ انجمن کے مہمان خانہ سے اور جگہ شامل کر کے اس کو وسیع کرایا اور ساتھ والی گلی کی طرف سے خواتین کے آنے جانے کا راستہ اور ان کے بیٹھنے کے لئے الگ انتظام کر دیا گیا۔ چنانچہ توسیع کا باقاعدہ افتتاح ۲۷ نومبر ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ اس

کی نظر ثانی کا کام آخری مراحل میں تھا اور ان کی صحت بھی کمزور ہو چکی تھی، حضرت مولانا نے محسوس کیا کہ وہ صحیح بخاری کے کام کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے یہ کام مولانا آفتاب الدین احمد صاحب کے سپرد کر دیا۔ اخبار ”لائٹ“ کی ادارت کی پوری ذمہ داری مولانا تنہا ہی نبھاتے تھے۔ پھر ووکنگ مسلم مشن کے سیکرٹری کی حیثیت سے ”اسلامک ریویو“ کے پاکستان میں ترسیل اور اشاعت کے دیگر انتظامی امور بھی ان کے ذمہ تھے۔ ان تمام تر مصروفیات کے باوجود انہوں نے صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کے کام کو جاری رکھا اور چونکہ دفتری اوقات میں صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کے لئے وقت نکالنا ممکن نہ تھا اس لئے صبح دفتر شروع ہونے سے ایک گھنٹہ پیشتر ایک ٹائپسٹ آتا اور مولانا دفتر میں بیٹھ کر اس کے ترجمہ کو ڈکٹیٹ کرواتے۔ لیکن ان کی زندگی نے وفانہ کی اور مولانا صحیح بخاری کے چار پارے ہی مکمل کر پائے تھے کہ جنوری ۱۹۵۶ء میں والد صاحب اچانک دل کے حملہ سے وفات پائے۔ تین پارے تو ان کی وفات کے بعد کتابی شکل میں شائع ہو گئے کیونکہ وہ ساتھ کے ساتھ اخبار میں بھی شائع ہوتے رہتے تھے اور مولانا ان کی نظر ثانی بھی کرتے تھے لیکن چوتھا پارہ مسودہ کی شکل میں ہی تھا جس کی اب ٹرینیڈاڈ کے مولانا کلام آزاد محمد صاحب نے نظر ثانی کی ہے اور اس چوتھے حصہ کو اب انجمن کے ویب سائٹ پر ڈال دیا گیا ہے تاکہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔

انگریزی مضامین کی ڈکٹیشن تو میرے بڑے بھائی اقبال صاحب لیا کرتے تھے اور ان کے انگلستان جانے کے بعد یہ کام میرے بھائی ناصر احمد صاحب کرتے رہے۔ اباجان کی مادری زبان بنگالی تھی لیکن اردو چونکہ مغربی بنگال میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ دینی کتب بھی زیادہ تر اردو میں تھیں۔ اس لئے مسلمانوں میں اس کو سیکھنے کا شوق تھا۔ والد صاحب مرحوم نے دیوبند میں تعلیم کے دوران عربی اور اردو دونوں زبانوں میں تعلیم حاصل کی۔ چنانچہ جب ایک مرتبہ والد صاحب کا ایک مضمون اردو ہفتہ وار ”پیغام صلح“ میں شائع ہوا اور حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اسے پڑھا تو کسی سے پوچھا کہ کیا آفتاب الدین احمد صاحب اردو میں بھی مضامین لکھ سکتے ہیں۔ اس کا تو مجھے علم نہ تھا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ خود لکھ نہیں سکتے بلکہ ڈکٹیٹ کرواتے ہیں۔ اس پر والد صاحب مرحوم کو جوش آیا اور انہوں نے ”اسلام اور اشتراکیت“ جیسے مشکل موضوع پر پیغام صلح میں ۱۰ اقساط لکھیں جن کو بعد میں خود ہی

تقریب کی صدارت امیر جماعت حضرت مولانا صدر الدین صاحب نے کی اور بابائے ہو میو پیٹھی ڈاکٹر محمد مسعود قریشی نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔

ان تمام تر مصروفیات کے باوجود مولانا کو احباب جماعت کے لوگوں سے رابطہ اور خبر گیری کا ہر دم خیال رہتا اور نماز عصر سے نماز مغرب تک کے وقت میں اس خدمت کو خود ہی سرانجام دیتے اور ہمیں بھی گاہے بہ گاہے اس خدمت میں شامل کرتے۔

مولانا کی زندگی کا ایک پہلو جو بظاہر لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا لیکن یہی عنصر ان کے دینی کاموں میں انہماک اور صبر و تحمل کی اصل قوت تھا اور ان کی تحریر و تقریر میں تاثیر کا موجب بھی۔ وہ ان کا کمال توکل اور درویشی تھی۔ وہ انتہائی عبادت گزار تھے اور تہجد ان کا معمول تھا۔ اسلام اور امت مسلمہ کی زبوں حالی کا قلق ان کو ہر دم رہتا۔ مجھے یہ منظر کبھی نہ بھولے گا کہ جب ریڈیو پر قائد اعظم محمد علی جناح کی وفات کے سلسلہ میں رواں تبصرہ ہو رہا تھا تو والد صاحب مرحوم سجدے میں رو رو کر اس نوزائیدہ ملک کی سلامتی کے لئے دعائیں کر رہے تھے اور جب سجدے سے سر اٹھتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہوتے تھے۔

ان کی طبیعت میں روحانی علوم اور سلوک کے مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ جب کبھی فرصت ملتی تو حضرت مسیح موعودؑ کے ملفوظات میں سے ایسے فرمودات پڑھ کر سناتے جن میں دعا اور عبادات کی اصل روح کو پیدا کرنے کی تاکید ہوتی۔ چنانچہ جب مشرقی بنگال سے ”لائٹ“ کے کسی خریدار نے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”فتوح الغیب“ کا کچھ حصہ انگریزی میں ترجمہ کرنے کی درخواست کی تو مولانا کو اس کتاب میں حضرت جیلانیؒ کے روحانی ارشادات اور تجربات کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے از خود اس کتاب کا مکمل انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا۔ اس وقت حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس معروف کتاب کا یہ انگریزی ترجمہ اپنی اولیت اور عمدہ ترجمہ کی وجہ سے بے حد مقبول ہے۔ اس کا ایک ایڈیشن ”نوائے وقت“ کے ادارہ نے بھی شائع کیا تھا۔ اسلامی کتب کی اشاعت کرنے والے ایک اور مشہور ادارہ اشرف پبلیکیشنز اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع کر چکی ہے۔ اس ترجمہ میں کچھ رد و بدل کر کے دہلی، ہندوستان کے ایک اشاعتی ادارہ ”کتاب بھون“ نے بھی انہی کے نام سے اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔

سابقہ مشرقی پاکستان کے علمی اور ادبی حلقوں میں والد صاحب مرحوم ایک معروف نام تھا یہی وجہ ہے کہ جب اکتوبر ۱۹۵۵ء میں ڈھاکہ میں بین الاقوامی اسلامک سمپوزیم منعقد ہوا تو والد صاحب کو اس میں تقریر کرنے کی دعوت دی گئی اور والد صاحب مرحوم واحد احمدی مقرر تھے جنہوں نے اس میں اپنا مقالہ پڑھا۔ یہ مقالہ ہفتہ وار ”لائٹ“ کی یکم دسمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ڈھاکہ ریڈیو سے ان کی تقریر کا کچھ حصہ رپورٹنگ کے دوران نشر بھی ہوا۔ مقالہ کا عنوان تھا: ”اسلام کی بنیادی اور اہم اقدار کیا ہیں اور ان پر موجودہ زمانے اور حالات میں کیسے عمل کیا جا سکتا ہے۔“ اس مجلس مذاکرہ کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء اور مفکرین کو دعوت دی گئی تھی۔ علامہ عنایت اللہ مشرقی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا محمد احسن اصلاحی نے گو بذات خود شرکت نہ کی لیکن ان کے مقالے پڑھے گئے۔ مغربی پاکستان سے تقریباً ۳۰ مندوبین نے شرکت کی۔

مولانا کو انگریزی کی طرح بنگالی زبان پر بھی خاص عبور حاصل تھا۔ ویسے بھی یہ ان کی مادری زبان تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت بانی سلسلہ کی مشہور تقریر ”اسلامی اصول کی فلاسفی“ کا بنگالی میں ترجمہ کیا اور اس کا دیباچہ بھی لکھا جو ایک معیاری ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور اور قاضی نذر الاسلام بنگال کے دو قومی شاعر تھے جن کا ایک خاص ادبی اور قومی مقام ہے۔ بنگال کے مسلمانوں میں قاضی نذر الاسلام کو وہی مقام حاصل ہے جو علامہ اقبال کو عام مسلمانوں میں ہے۔ اکثر تنہائی میں ان کے اشعار گنگناتے رہتے تھے۔ قاضی نذر الاسلام مسلمانوں میں ایک انقلابی شاعر سمجھے جاتے ہیں لیکن بالعموم رابندر ناتھ ٹیگور ادب اور فلسفہ کے اعتبار سے لوگوں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

والد صاحب مرحوم ایک درویش صفت انسان تھے اور اس درویشی کی جھلک ان کی زندگی کے معمولات میں نمایاں تھی۔ دفتر کا کام شروع کرنے سے پہلے صبح قرآن مجید کا درس، عصر اور مغرب کی نمازوں کے درمیان کا عرصہ لوگوں کی خیر گیری اور مغرب سے عشاء کے درمیان ہو میو پیٹھک کے ذریعہ لوگوں کی خدمت، ان کا روز کا معمول تھا۔ اس کے علاوہ دو کنگ مسلم مشن اور مرکزی انجمن نے جو بھی ذمہ داری سونپی، بلاچون و چراں کسی معاوضہ کا مطالبہ کئے بغیر قبول کر لیتے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر رہائش کی فراہمی جیسا مشکل اور صبر آزمایا کام ان کے سپرد ہوتا تھا جن کی معاونت دو کنگ مشن کے ہیڈ کلرک محمد سلطان نظامی صاحب، میرے بھائی ناصر احمد صاحب اور فیض

کو بہلانے کے لئے اس سے کھیل رہا تھا کہ اچانک وہ بالکل ساکت ہو گئی۔ ہم سب نے خیال کیا کہ شاید وہ فوت ہو گئی ہے اور پریشانی کے عالم میں ڈاکٹر کی طرف دوڑے اور ڈاکٹر بلا لائے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کیا اور اطمینان دلایا کہ وہ یکدم بے ہوش ہو گئی ہے، فوت نہیں ہوئی اور فوری علاج کیا۔ جلد ہی ہماری بہن ہوش میں آ گئی۔ اس دوران میں جبکہ ہم سب پریشان تھے، والد صاحب مرحوم سجدے میں دعائیں پڑے رہے۔ ہم سب کا خیال تھا کہ ہماری بہن کو ڈاکٹر نے علاج کے ذریعہ زندگی دی لیکن والد صاحب کا پختہ یقین تھا کہ اللہ کے فضل سے ہوا۔ ان کو دعا پر بے حد یقین تھا اور یہی یقین ان کی زندگی میں طاقت کا سرچشمہ تھا۔“

والد صاحب مرحوم نے انگلستان میں کئی معزز انگریزوں کو اسلام میں داخل کیا اور متعدد مداح پیدا کئے اور وہ مسٹر دین کے نام سے معروف تھے۔ ایک لحاظ سے دین ہی ان کی فکر اور عمل کا محور تھا۔ چرچ کے ایک سربراہ نے مولانا کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ”آفتاب الدین احمد ایک دراز قد، چاک و چوبند اور موثر شخصیت کے مالک تھے۔ مذہب کے بارے میں بڑے جوشیلے تھے لیکن جنونی نہ تھے۔ جنہیں ہر عیسائی عورت، مرد اور بچہ پیار کرتا تھا گو اسے ان کے عقائد سے اختلاف تھا۔“

ان کے دور امامت میں سعودی عرب کے بادشاہ ابن سعود، اس وقت کے ولی عہد شہزادہ فیصل، مصر کے شاہ فاروق، حبشہ کے معزول بادشاہ ہائلی سلاسی اور بحرین کے شاہ عبداللہ کی مسجد شاہجہان، ووکنگ میں آمد اور استقبال قابل ذکر ہیں۔ حبشہ کے ہیل سلاسی کچھ وقت معزول رہے اور اسی دوران میں وہ ووکنگ مسجد بھی آئے جہاں شاہی بینڈ کے ساتھ ان کا استقبال کیا گیا۔ والد صاحب مرحوم سناتے تھے کہ شاہ نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ والد صاحب نے دعا کی تو انہیں اشارہ ملا کہ وہ بحال ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ان کو خط کے ذریعہ اس خوشخبری کی اطلاع دی۔ بعد میں اللہ کے خاص فضل سے شاہ ہیل سلاسی کو بحال کر دیا گیا۔

اباجان مرحوم کی زندگی کا ایک اور پہلو جس سے درویشی کی جھلک نمایاں ہوتی ہے یہ تھی کہ اسلام کی خدمت کا کوئی موقع ہو اس کے لئے ہر وقت اور ہر رنگ میں تیار رہتے تھے۔ خواہ یہ خدمت ایسی ہوتی کہ اس میں ان کے نام کا ذکر تک نہ ہو تاہم کسی دوسرے کے نام سے منسوب ہوتا۔ مثلاً دوسروں کی حوصلہ افزائی کے لئے مضمون خود لکھنا لیکن شائع دوسروں کے

الرحمن صاحب کرتے۔ گومالی لحاظ سے تنگدستی تھی لیکن مہمان نوازی اور دوست احباب کی خدمت میں یہ امر کبھی رکاوٹ ثابت نہ ہوئی۔ گھر کے باہر کے دو کمرے ہمیشہ نوجوان طالب علموں کے لئے وقف رہتے۔ عشق الہی کا یہ عالم کہ ہر وقت موت کے لئے تیار رہتے۔ ٹیگور کے یہ شعر اس سلسلہ میں ایسے موقعوں پر گنگناتے جن کا ترجمہ یہ ہے: اے میرے رب، اب میں تیار ہوں۔ جب تیری طرف سے وقت آن پہنچے گا میں نے شام کا دیا تیرے لئے تیار رکھا ہے۔ کب تو اس کو اپنی آگ سے جلائے گا۔ قطع نظر اس کے کہ بچوں کی تعلیم ابھی مکمل نہ ہوئی تھی نہ اپنا مکان تھا اور نہ کوئی اور اثاثہ، ہمہ وقت موت کے لئے تیار رہنے کی کیفیت ان کی روحانی بالیدگی کی ایک جھلک ہے۔ نوکھالی کا ایک طالب علم جو ہمارے باہر والے ایک کمرہ میں رہتا تھا اور ایم ایس سی جیالوجی کا طالب علم تھا۔ اس کے ساتھ ایک مرتبہ لاہور کی بادشاہی مسجد گئے اور باہر کی طرف خالی حجروں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کمرے ماضی میں تعلیم کے گہوارے تھے اب ویران پڑے ہیں۔ قوموں پر جب زوال آتا ہے تو ان سے علم اٹھ جاتا ہے۔ امت مسلمہ کی جہالت اور بے علمی کا انہیں بے حد قلق تھا۔ اپنے بڑے بیٹے اقبال احمد صاحب کو جو ان دنوں انگلستان میں تھے ایک خط لکھا جس کے ایک اقتباس کا ترجمہ یہ ہے ”ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ گو لوگ ہمیں اس بارے میں بے وقوف خیال کریں۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ موجودہ دنیا اپنی تمام تر چمک دمک کے باوجود تباہی کی طرف جارہی ہے۔ ایک نئی دنیا تحریک احمدیت کی روحانی بصیرت کی بنیاد پر جنم لے رہی ہے۔ ہمیں موجودہ بگڑتی ہوئی دنیا سے اپنے آپ کو الگ رکھنا چاہئے اور بظاہر موہوم دنیا سے جو جنم لے رہی ہے اس سے ناطہ جوڑنا چاہئے۔ ہمیں موجودہ دنیا کی روش کو چھوڑ کر کل آنے والی دنیا کو اپنا مطمح نظر بنانا چاہئے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہی وہ اسلام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے اور جس کی تبلیغ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ نے کی اور یہی دنیا کو تباہی سے بچا سکے گی۔“

میرے بڑے بھائی اقبال احمد صاحب نے والد صاحب کی وفات پر ایک مضمون میں ان کے توکل علی اللہ کے بارے میں لکھا ”ہر معاملہ میں والد صاحب مرحوم کا اللہ پر بھروسہ مثالی اور ایمان افروز تھا۔ مشکل لمحوں میں جب انسان مایوسی اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا، میں نے دیکھا کہ والد صاحب مرحوم دعا کے ذریعہ اللہ کی مدد اور رہنمائی کے لئے سجدے میں گر جاتے۔ ایک مرتبہ میری بہن جو بالکل چھوٹی سی تھی، بہت بیمار تھی۔ میں اس

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ

اور

عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

1. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان
2. آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:-
”اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا“، ”جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“،
”میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صلی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔“
3. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔
4. بمطابق فرمان نبوی حضرت ﷺ کے بعد مجددین آئیں گے۔ اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء
5. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
6. ہر ایک شخص جو لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے۔ خواہ وہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔
7. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: ”اور ان لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔“

ہمیں کسی دنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیے۔
اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

نام سے کرنا۔ پھر اگر کوئی غیر از جماعت شخص یا ادارہ اسلام کی خدمت کر رہا ہو تا اور ان کو مدد کی ضرورت پڑتی تو بڑی خندہ پیشانی سے گمنام طریق پر اس خدمت کو سرانجام دیتے۔ لاہور کا ایک معروف اشاعتی ادارہ اشرف پبلیکیشنز جس نے سب سے پہلے عبداللہ یوسف علی صاحب کا قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ مع عربی متن شائع کیا اور اسلامی موضوعات پر متعدد اہم کتب شائع کیں اور اب بھی کر رہا ہے، اس نے انگریزی میں ماہوار اسلامی رسالہ ”اسلامک لٹریچر“ شائع کرنے کا پروگرام بنایا تو ان کو اس رسالہ کے مدیر کے لئے کوئی مناسب شخص نہ مل رہا تھا تو انہوں نے ابا جان مرحوم سے درخواست کی کہ جب تک انہیں کوئی مناسب مدیر نہ ملے آپ اس رسالہ کے لئے ادارہ لکھ دیا کریں۔ چنانچہ ابا جان مرحوم کئی ماہ تک اس کے لئے اپنا نام دیئے بغیر ادارہ لکھتے رہے۔

پھر ہماری جماعت کے ایک ڈاکٹر صاحب نے جو سرجری میں ایم ایس حاصل کرنا چاہتے تھے ان کو مسلمانوں کی سرجری میں نمایاں کارناموں کے بارے میں ایک مقالہ لکھنا تھا۔ ابا جان مرحوم نے یہ مقالہ لکھ کر دیا اور تاریخ اور حقائق کے حوالے سے ثابت کیا کہ مسلمان طبی ماہرین آنکھ کا کامیاب آپریشن کرتے تھے اور اگر آنکھ جیسے نازک عضو کا کامیاب آپریشن ہوتا تھا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان جراحی میں کافی ترقی یافتہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ مقالہ جب ممتحن حضرات نے پڑھا تو اس مقالہ کی بے حد تعریف کی اور ڈاکٹر صاحب موصوف کو ڈگری مل گئی۔ مختصر آئیے تھے میرے والد صاحب مرحوم مولانا آفتاب الدین احمد جنہوں نے اپنی نصف صدی کی زندگی میں دین اسلام اور انسانیت کی خدمت کے سلسلہ میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جو آج بھی زندگی کے مشکل مرحلوں میں ہمارے لئے روشنی اور ایمان کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور کرم نازل فرماتا رہے اور ہمیں نیکی اور ہمدردی کی زندگی گزارنے کی توفیق اور راہنمائی عطا فرمائے۔

یاد دہانی

روزوں کی طرح زکوٰۃ اور فطرانہ بھی رمضان کا لازمی حصہ

ہیں۔ بھولیں مت۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو آپ کی قربانیوں کا اجر

عطا فرمائے۔ آمین